لطف کی بات یہ ہے کہ ہر دستور میں یہ بات کہی گئی کہ

''No Law could be made against the Quraan and the Sunnah''

یعنی کوئی بھی قانون قرآن وسنت کے خلاف نہیں بنایا جائے گا، مگر عملاً اس کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ ہر دستور میں اسلامی اداروں اور قانون کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے والے اداروں کی تشکیل وعمل کی بات کی گئی مگر یہ ادارے اتنے بے بس اور اس قدر بے اختیار تھے کہ ان کی تجاویز کو کبھی بھی مکمل طور پر تسلیم نہیں کیا گیا اور یہ صرف تجاویز دینے کے مجاز تھے جب کہ ان تجاویز کے رد وقبول کا اختیار ان لوگوں کے ہاتھ میں تھا جو یا تو اسلام سے بے بہرہ یا اس سے الرجک تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ''تعلیمات اسلامیہ بورڈ'' جو اسلامائزیشن کے حوالہ سے علماء پر مشتمل پہلا سرکاری ادارہ تھا، اس کی تشکیل سے بھی علماء مطمئن نہ تھے اور انہوں نے یہ مطالبہ کیا تھا کہ اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ قوانین پر نگاہ رکھیں اور غیر اسلامی قانون سازی نہ ہونے دیں۔

لیکن بدقسمتی سے کسی بھی دستور میں مقننہ کے اراکین کے انتخاب کے لئے یہ شرط نہیں رکھی گئی کہ وہ اسلامی تعلیمات یا قوانین اسلام سے واقفیت رکھتے ہوں بلکہ انتہائے ظلم تو یہ کہ تعلیم یافتہ ہونے کی شرط بھی نہیں، گویا ہر جاہل ان پڑھ شخص بھی مجلس قانون ساز کا ممبر بن سکتا ہے، اور جب اسمبلیوں میں ہر کہ ومہ ممبر بن سکتا ہو تو وہ اسلامی قانون سازی میں کس قدر معاون ثابت ہوگا یا دلچسپی لے گا یہ بدیہی طور پر Understood ہے۔

قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر زعماء تحریک آزادی کا پاکستان میں مکمل نفاذ اسلام کا خواب ہنوز شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا جس کے کئی اسباب وعوامل ہیں، ان اسباب وعوامل میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں۔

۱۔ قائداعظم کا قیامِ پاکستان کے بعد جلد انتقال۔

۲۔ اقتدار کی رسہ کشی۔

۳۔ قانون ساز اداروں پر اسلام دشمن عناصر کی گرفت۔

قائداعظم اگر کچھ عرصہ مزید زندہ رہتے اور ان کی نگرانی میں دستور سازی کا کام مکمل ہو جاتا تو اس ملک میں رائج ہونے والا قانون قائداعظم کی امنگوں کے مطابق اسلامی ہوتا، شراب پر پابندی لگتی، چوروں کے ہاتھ کاٹے جاتے، زانی سنگسار ہوتے، جھوٹی تہمت لگانے والوں پر کوڑے

برستے اور رہزنوں کو قانون شریعت کے مطابق عبرتناک سزائیں دی جاتیں۔ لیکن فرشتہ اجل نے اس کی مہلت نہ دی، اسلام دشمن ان کی موت کا سبب بنے، اب تک یہ معمہ لاینحل ہے کہ وہ طبعی موت مرے تھے یا انہیں سازش کے تحت زہر دلوایا گیا تھا، بہرکیف قائداعظم کے مختصر دورِ حکومت (۱۴؍ اگست ۱۹۴۷ء۔ ۱۹۴۸ء) میں شریعت کے نفاذ کے لئے ضروری قانون سازی نہ ہو سکنے کے سبب ملک میں وہی ہندوستان کے کالے قوانین رائج رہے۔

اسلام کے نام پر حاصل کئے گئے ملک میں اسلام سے جو اغماض و تغافل برتا گیا یا مخاصمت روا رکھی گئی اس کا اندازہ لگانے کیلئے یہی بات کافی ہے کہ انیس ماہ تک یہی تسلیم نہیں کیا گیا کہ ملک کی نظریاتی اساس اسلام ہو گی، کار پردازانِ حکومت یا غاصبانِ اقتدار ایک عرصہ تک ایسی کوشش میں مصروف رہے کہ پاکستان میں کسی نئے دستور و آئین کی بجائے ۱۹۳۵ء کے انگریزی ایکٹ ہی کو چند معمولی تبدیلیوں کے ساتھ برقرار رکھا جائے چنانچہ عملاً ایک عرصہ تک انڈین گورنمنٹ ایکٹ ۱۹۳۵ء ہی (بعض ترامیم کے ساتھ) پاکستان کا آئین رہا۔ (۱) تاآنکہ عوامی ردعمل کے پیش نظر ۱۲؍ مارچ ۱۹۴۹ء کو دستور ساز اسمبلی نے ایک قرارداد پاس کی جسے قرارداد مقاصد کا نام دیا گیا۔

جس کے مطابق یہ طے پایا کہ ملک کا آئین قرآن و سنت کے مطابق ہوگا۔ چنانچہ دستور ساز اسمبلی میں ایک دستوری کمیٹی قائم کی گئی تاکہ وہ دستور کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ترتیب دینے کے لئے کام کرے اس کمیٹی کو (Basic Principles Committee) بنیادی اصولوں کی کمیٹی کہا گیا، اس کمیٹی کی مدد کے لئے مولانا سلیمان ندوی کی چیئرمین شپ میں ایک پانچ رکنی بورڈ تشکیل دیا گیا تاکہ دستور اسلام کی تعلیمات کے مطابق بن سکے۔ جس کا نام تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ قرار پایا، اس بورڈ نے جلد ہی اپنی سفارشات مرتب کر کے بنیادی اصولوں کی کمیٹی کو پیش کر دیں، مگر ۷؍ ستمبر ۱۹۵۰ء کو جب کمیٹی کی رپورٹ منظر عام پر آئی تو معلوم ہوا کہ علماء اور تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی پیش کردہ سفارشات کو اس میں شامل ہی نہیں کیا گیا۔ (۲) چنانچہ علماء نے ایک پریس کانفرنس کے ذریعہ اس رپورٹ سے لاتعلقی کا اظہار کیا اور یہ مطالبہ کیا کہ تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی سفارشات

۱۔ Pakistan year Book - 1977, By : Rafique Akhter, (Islamabad: East and Wes Publishing Co. 1977, p - 132

۲۔ روزنامہ نوائے وقت لاہور، ۲۴؍ دسمبر ۱۹۶۲ء (اداریہ ص ۳)۔

☆ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا سنِ ولادت ۸۰ ہجری اور سن وفات ۱۵۰ ہجری ہے ☆

کو شائع کیا جائے۔ (۲) غرضیکہ تعلیمات اسلامیہ بورڈ کی سفارشات کو نظرانداز کئے جانے پر بورڈ کے اراکین اور دیگر علماء حکومت سے سخت مایوس ہوئے اور مولانا سید سلیمان ندوی چیئرمین تعلیماتِ اسلامیہ بورڈ کے انتقال اور اس کے ایک معزز رکن جناب ڈاکٹر حمیداللہ کی مستقل پیرس منتقلی کے باعث بورڈ ٹوٹ گیا۔ گویا حکومت کی طرف سے قرآن و سنت کے مطابق آئین کا مسودہ تیار کرنے کے سلسلہ میں نہ صرف یہ کہ کوئی توجہ نہیں دی گئی بلکہ اس سے عمداً اغماض برتا گیا۔

جولائی ۱۹۵۲ء میں ایک دستوری کمیٹی تشکیل دی گئی جس سے اس وقت کے وزیراعظم خواجہ ناظم الدین نے ایک اسلامی آئین قرارداد مقاصد کی روشنی میں تیار کرایا جسے وہ دستور ساز اسمبلی سے منظور کرانے کے لئے اسمبلی میں پیش کرنا چاہتے تھے کہ ان کی وزارتِ عظمیٰ کا دھڑن تختہ ہوگیا، خواجہ ناظم الدین کے بعد جناب محمد علی بوگرہ کے دورِ وزارتِ عظمیٰ میں عوامی مطالبہ پر اس دستور کو اسمبلی میں پیش کرنے کی کوشش ہوئی تو اسمبلی ہی توڑ دی گئی، اس طرح پاکستان میں نفاذِ حدود کا عمل غیراسلامی آئین و قوانین کی بناء پر موقوف رہا۔

۱۹۵۵ء میں پاکستان کی نئی دستور ساز اسمبلی وجود میں آئی، وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان چوہدری محمد علی کے سپرد ہوا، اور دستور ساز اسمبلی نے ایک آئین کی منظوری دی جس میں قرارداد مقاصد کو ابتدائیہ کے طور پر شامل کیا گیا اس آئین کے مطابق پاکستان کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار پایا۔

۱۹۵۶ء کا یہ آئین جس کے مطابق ملک میں اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کی روشنی میں اسلامی قانون سازی کا عمل مکمل ہونا تھا ۱۹۵۸ء میں صدر اسکندر مرزا نے منسوخ کر دیا اور ملک میں مارشل لاء نافذ ہوگیا۔

جون ۱۹۶۲ء میں صدر محمد ایوب خان نے ایک نیا آئین نافذ کیا جس میں صرف ایک شق اسلامی تھی اور وہ یہ کہ ملک کا کوئی قانون قرآن و سنت کے خلاف نہ ہوگا۔

اس آئین میں قانون سازی میں مشاورت کے لئے ایک اسلامی مشاورتی کونسل اور اسلامی تحقیقاتی ادارہ کے قیام کا ذکر بھی کیا گیا، لیکن عملاً اسلامی قانون سازی پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔

۱۹۶۹ء میں محمد یحییٰ خان عبوری عرصہ کے لئے صدر بنے اور ان کے دور میں اسلامائزیشن کے سلسلہ میں کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔

ا۔ روزنامہ جنگ کراچی، ۱۴/اکتوبر ۱۹۵۰ء۔

☆ میں نے امام محمد سے بڑھ کر کوئی فصیح نہیں دیکھا (امام محمد بن ادریس شافعی) ☆

۱۹۷۱ء میں ذوالفقار علی بھٹو برسرِ اقتدار آئے۔ انہوں نے اپنی حکومت کو عوامی حکومت قرار دیا۔ انہیں مغربی پاکستان کی اسمبلی میں واضح اکثریت حاصل تھی اور ان کا رجحان اسلام سے زیادہ سوشلزم کی طرف تھا وہ روٹی کپڑا اور مکان کا نعرہ لگا کر برسرِ اقتدار آئے تھے لہٰذا ان کی ترجیحات میں اسلامائزیشن شامل ہی نہ تھی بلکہ وہ ملک میں سوشلزم کے نفاذ کے داعی تھے ان کے خیال میں سوشلزم ہی ملکی مسائل کا حل اور قومی ترقی و خوشحالی کا ضامن تھا، مگر عوامی دباؤ اور اسمبلی میں مذہبی جماعتوں کے سرکردہ لیڈرز کی موجودگی کے باعث انہیں سوشلزم کے نفاذ کے لئے فری ہینڈ نہ مل سکا، چنانچہ انہوں نے اپنے سوشلزم کو اسلامی سوشلزم کا نام دیا کہ شاید یوں کامیابی ہو سکے لیکن ان کا نفاذ سوشلزم کا خواب شرمندہ تعبیر پھر بھی نہ ہو سکا۔

ملک میں ایوب خان کے مارشل لاء کے آنے سے آئین منسوخ ہو چکا تھا اور ایک نئے آئین کی ضرورت تھی چنانچہ ۱۹۷۳ء میں ایک مسودہ دستور پر غور ہوا جو پارلیمنٹ سے منظوری کے بعد ۱۹۷۳ء کا آئین کہلایا اس آئین میں قومی اسمبلی میں موجود مذہبی جماعتوں کے ممبران اور عوامی پریشر کے پیش نظر اسلامی دفعات شامل کی گئیں، مولانا شاہ احمد نورانی کی سر توڑ کوششوں سے ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان قرار پایا۔ یہ دستور ۱۲/اپریل ۱۹۷۳ء کو متفقہ طور پر منظور کیا گیا۔ بھٹو خود سیکولر تھے اور انہوں نے تھوڑی سی پینے کا اعتراف برسرِ عام کر کے اپنا مذہب سب پر واضح کر دیا تھا، اس لئے ان سے یہ توقع ہی نہ تھی کہ وہ دستور میں کوئی ایسی بات شامل کریں یا ہونے دیں جس سے شرابیوں کو کوڑے لگیں، زانیوں کو سنگسار کیا جائے اور چوروں کے ہاتھ کاٹے جائیں، ۷۳ کے آئین میں جو اسلامی دفعات شامل کی گئیں ان کے محرکین اسلامی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے اراکین تھے، اور بھٹو کو یہ ہلکی پھلکی دفعات بھی مجبوراً و مصلحتاً قبول کرنا پڑیں۔ جیسا کہ روبیہ مہدی نے دی اسلامائزیشن آف لاز ان پاکستان میں لکھا ہے:

Bhutto himself a modern secular politician never enocouraged any attemp to include specific Islamic Laws in the legal System, but at the end of his period, it became politically xpedient for him to do so.

(Rubia Mehdi, The Islamization of the Laws in Pakistan, p-25

۵/ ۶/ جولائی ۱۹۷۷ء کو ملک میں ایک بار پھر مارشل لاء نافذ ہوا، مگر آئین کو منسوخ نہیں کیا گیا۔ چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے ستمبر ۱۹۷۷ء میں اسلامی نظریاتی

کونسل کی تشکیل نو کی، اور اسے یہ فریضہ سونپا کہ وہ غیر اسلامی قوانین کی نشاندہی کرے اسی کے ساتھ ہی ملک کی اعلیٰ عدالتوں کو یہ اختیار دیا گیا کہ وہ ملک میں رائج کسی بھی قانون کو اگر خلافِ اسلام سمجھیں تو عدالتی فیصلہ کے ذریعہ اسے منسوخ کر دیں۔

۱۹۷۷ء مین شراب اور جوئے پر مکمل پابندی عائد کی گئی اور یوں نفاذِ شریعت کے عمل کی طرف پیش قدمی کا آغاز ہوا۔ ملک میں خصوصی شرعی عدالتیں (Shariah Benches) قائم کی گئیں، دینی مدارس کی اسناد کو سرکاری سطح پر تسلیم کیا گیا اور اسلامی تعلیم کے حامل افراد کو سرکاری ملازمتوں میں شامل کیا گیا۔ سودی نظام کو ختم کر کے غیر سودی نظام اپنانے کے لئے تیزی سے ہوم ورک مکمل کرنے کا کام متعلقہ اداروں کو سونپا گیا۔ گھوڑوں کی ریس اور دیگر مقامات پر جوئے پر پابندی عائد کی گئی۔ غیر شرعی انعامی اسکیمیں ممنوع قرار پائیں۔ شراب کی کھلے عام فروخت بند ہوئی۔ کسبہ گری کے انسداد کے لئے اقدامات کئے گئے۔ حجاب کو سرکاری سرپرستی حاصل ہوئی اور خواتین کو ذریعۂ اشتہار و تشہیر کے طور پر استعمال کرنے پر پابندی عائد ہوگئی۔

اس طرح ملک کے اسلامی تشخص کے حوالے سے کسی حد تک گاڑی پٹڑی پر آ گئی مگر افسوس کہ یہ اقدامات اتنے ناکافی ثابت ہوئے کہ ملک مستقل بنیادوں پر اسلامی فلاحی ریاست نہ بن سکا۔ آج ایک بار پھر اس کے اسلامی تشخص کو ختم کرنے کی سازشیں عروج پر ہیں۔ حال ہی میں پاکستان کے ۵۶ ویں یومِ آزادی سے ۲۲ روز قبل پاکستان کے آٹھویں صدر جنرل پرویز مشرف نے متحدہ مجلس عمل کے سربراہ علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی کے تشخص پاکستان کی تبدیلی کے حوالے سے بعض خدشات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ ''پاکستان کو قطعاً سیکولر ریاست نہیں بنائیں گے۔'' اور اس کا اسلامی تشخص تبدیل کرنے کی اجازت کسی کو نہیں دیں گے۔'' (۲۳ر جولائی ۲۰۰۲ء نوائے وقت)

اس وضاحت کا اصل محرک ۲۰ر جولائی (۲۰۰۲ء) کو اخبارات میں شائع ہونے والا امریکی وزیر خارجہ کولن پاول کا وہ بیان ہے جس میں اس نے بڑے فخر سے یہ اعلان کیا کہ وہ اور ان کی حکومت ''پاکستانی معاشرے کو سیکولر بنانے کے لئے جنرل پرویز مشرف کی کوششوں کی حمایت کرتے ہیں۔'' ادھر امریکی کانگریس کے ارکان پر مشتمل کانگریس ریسرچ فورم کی ایک یادداشت کے حوالہ سے بھی یہ خبر اسی روز اخبارات میں چھپی کہ اس فورم کا خیال ہے کہ پاکستان میں طاقتور اور سیکولر فوجی حکومت ہی امریکی مفادات کا بہتر تحفظ کر سکتی ہے۔'' ان دونوں بیانوں پر حکومتی سطح سے

کوئی تبصرہ ۲۰، ۲۱ اور ۲۲ر جولائی کے اخبارات میں نہیں چھپا اور حکومت گویا پاولی اور کانگریسی بیان پر خاموش مسرت کا لطف لیتی رہی۔ مگر یہ مزا اس وقت کرکرا ہو گیا جب قائد اہل سنت علامہ شاہ احمد نورانی صدیقی نے متحدہ مجلس عمل کے وفد کی سربراہی کرتے ہوئے صدر صاحب سے ملاقات میں، دیگر امور کے علاوہ لگے ہاتھوں یہ بھی پوچھ لیا کہ ان کی سیکولر پالیسیاں کیسی جا رہی ہیں؟ اور یہ کہ پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ بنانے کے لئے امریکہ سے کیا وعدے کئے گئے ہیں؟ چنانچہ اگلے ہی روز صدر کا یہ وضاحتی بیان اخبارات میں جلی سرخیوں کے ساتھ شائع ہوا کہ ''پاکستان کو قطعاً سیکولر ریاست نہیں بنائیں گے۔''

صدر مملکت کا یہ بیان مسلمانانِ پاکستان کے اسلامی جذباتِ کو ٹھنڈا کرنے کی حد تک تو ممکن ہے درست رہا ہو تاہم ماضی یہ بتاتا ہے کہ امریکی سرکار کی کسی بات کو اب تک وہ ٹالنے میں کامیاب نہیں رہے، سیاچن کے مسئلہ سے لے کر افغانستان میں آپریشن اور کشمیر سے مجاہدین کی واپسی سے لے کر دینی مدارس پر پابندیوں تک نیز علماءِ کرام کے گریبانوں پر ہاتھ ڈالنے سے لے کر مدارس عربیہ کے طلبہ کو ہراساں کرنے تک تمام معاملات میں وہ اپنے امریکی دوستوں کی ناراضگی کا خطرہ مول لینے کو کبھی تیار نہیں ہوئے۔ جہاں تک پاکستان کو سیکولر اسٹیٹ نہ بنانے کے بیان کا تعلق ہے تو عوام کی ایک نپی تلی رائے یہ ہے کہ حکومت جس کام کے نہ کرنے کا کہتی ہے وہ ضرور کر رہی ہوتی ہے اور اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں۔ پاکستان کے اسلامی تشخص کو تبدیل نہ کرنے کی بات بھی ایسی ہی ہے کیونکہ عملاً صورتِ حال یہ ہے کہ جنرل صاحب کے برسرِ اقتدار آنے کے بعد سے پاکستان میں میڈیا اتنا آزاد ہو گیا ہے کہ اس سے کم از کم پاکستان کا اسلامی تشخص ضرور رخصت ہوا نظر آتا ہے۔ یہی حال این جی اوز کے ذریعہ معاشرہ میں پھیلائی جانے والی عریانی، بے حیائی اور فحاشی کا ہے کہ یہ عملاً پاکستان کے اسلامی تشخص کے برعکس ہے۔ شراب کی دکانیں اور اسٹورز عام ہو گئے ہیں، بدکاری کے اڈے پھر سے چلنے لگے ہیں، حدود آرڈی ننس اور دیگر شرعی قوانین کی منسوخی پر باقاعدہ کام ہو رہا ہے، سود کو ختم کرنے کے عدالتی فیصلے کو عدالت عظمیٰ کے ذریعہ کالعدم قرار دیا جا چکا ہے اور جوئے پر مشتمل اسکیموں کو فروغ حاصل ہو رہا ہے۔

اس کے باوجود اگر پاکستان کا اسلامی تشخص مجروح نہیں ہو رہا اور اس کے اسلامی تشخص کو تبدیل نہیں کیا جا رہا تو پھر آخر وہ ایسے کونسے اقدامات ہیں جن سے امریکہ سرکار خوش ہے اور برملا

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

پاول صاحب اس مسرت کا اعلان کرتے پھر رہے ہیں کہ وہ مشرف صاحب کی ان کوششوں کی حمایت کرتے ہیں جو وہ پاکستانی معاشرے کو سیکولر بنانے کے لئے کر رہے ہیں؟

رب کریم اس ملک کی دینی قیادت کو ہمت، جرأت، استقامت اور قوت عطا فرمائے کہ وہ سیکولرازم کا راستہ روکنے کے لئے اپنا بھرپور کردار ادا کرسکیں۔

اسکالرز اکیڈمی کے زیرِ اہتمام فقہی نشست

رپورٹ: حبیب الرحمٰن

جدید فقہی مسائل پر غور و فکر کرنے اور اس شعبہ میں عوام کو صحیح رہنمائی فراہم کرنے کے خیال سے اسکالرز اکیڈمی نے اہل علم کی ماہانہ مجالس مناقشہ کا سلسلہ پھر سے شروع کردیا ہے اس سلسلہ میں چند نشستیں پہلے ہو چکی ہیں جن میں درج ذیل اہم موضوعات پر غور کیا گیا:۔

ا۔ حلال اشیاء میں الکحل کے استعمالات کا جواز یا عدم جواز

(۱) پرفیومز (خوشبویات) میں (۲) میڈیسنز (ادویات) میں

۲۔ موجودہ دور میں عالم کفر (بشمول امریکہ) کے خلاف فتویٰ جہاد کا جائزہ اور کشمیر' بوسنیا' چیچنیا، فلسطین و دیگر علاقوں میں کفر کے خلاف سرگرم عمل مسلم جہادی تنظیموں کی کار گزاریوں کی شرعی حیثیت کا تعین ۔

۳۔ روزہ کی حالت میں آنکھوں میں سرمہ یا دوا لگانے کا حکم (تحریری مذاکرہ)

اسی سلسلہ کی ایک اور مجلس مناقشہ کا انعقاد بروز جمعرات ۶ جون ۲۰۰۲ ہوا جسکا عنوان تھا: گولڈن کی اسکیم اور چینل لنکس کے نام سے جاری مالیاتی اسکیموں کی شرعی حیثیت کا تعین ان دونوں اسکیموں کا ایک تعارف مجلہ فقہ اسلامی شمارہ ربیع الاول مئی ۲۰۰۲ میں شائع کیا گیا تھا۔ نشست کے آغاز پر جناب ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب نے اس نشست کی غرض و غایت بیان کی اور گولڈن کی اسکیم اور چینل لنکس اسکیم کا مختصر تعارف پیش کیا۔

گولڈن کی اسکیم کے ڈائریکٹر جناب عصمت اللہ نیازی کو اپنی کمپنی کی طرف سے اسکیم کی وضاحت کے لئے اس نشست میں شرکت کی دعوت دی گئی تھی چنانچہ وہ اس میں شریک ہوئے اور انہوں نے اپنی کمپنی کے اس کاروبار کی وضاحت کی۔ ازاں بعد کمپنی کے ڈائیریکٹر صاحب سے

مختلف سوالات کئے گئے جن میں بعض امور کی وضاحت چاہی گئی۔ نشست میں بعض علماء کرام نے مذکورہ بالا دونوں اسکیموں کے بارے میں اجمالا اظہارِ خیال کیا اور یہ طے پایا کہ ان دونوں اسکیموں کا فقہی اصول و جزئیات کی روشنی میں جائزہ لینے کے لئے مزید وقت دیا جائے اور کسی آئندہ نشست میں اس پر مزید گفتگو کی جائے ۔ نشست میں بعض علماء پر مشتمل ایک ذیلی کمیٹی بھی تشکیل دی گئی جو ہر دو اسکیموں پر غور کر کے اپنی فقہی رپورٹ جلد پیش کرے گی۔ کمیٹی کی رپورٹ آنے پر انشاء اللہ شائع کر دی جائے گی۔ اور ایک بار پھر علماء و مفتیانِ کرام کو اس موضوع پر گفتگو کی دعوت دی جائے گی، علاوہ ازیں دیگر شہروں کے علماء و مفتیانِ کرام سے بھی دونوں اسکیموں کے بارے میں فقہی رائے حاصل کی جائے گی۔ حتمی نتیجہ یا حلت و حرمت کا فیصلہ علماء و مفتیانِ کرام کی طرف سے آنے پر شائع کیا جائے گا۔ ۶ جون ۲۰۰۲ کو ہونے والی اس فقہی نشست میں شرکت کرنے والے علماء کرام کے اسمائے گرامی حسبِ ذیل ہیں۔ علامہ غلام دستگیر افغانی صاحب، مفتی ابو المعالی غلام نبی صاحب فخری مفتی محمد رفیق الحسنی صاحب، مفتی سید شاہ حسین گردیزی صاحب، پروفیسر ڈاکٹر علامہ غلام عباس قادری صاحب، مولانا غلام حسن لغاری صاحب، مولانا محمد اعظم سعیدی صاحب، مفتی محمد یعقوب معینی صاحب، مولانا محمد صحبت خان کوہاٹی صاحب، مولانا محمد فاروق صاحب، مولانا شیر زمان راشدی صاحب، مولانا محمد وقاص ہاشمی صاحب، مولانا محمد عامر بیگ صاحب۔ مولانا محمد اویس معصومی صاحب، مولانا محمود احمد خلیلی صاحب، علامہ محمد طفیل درانی صاحب مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مولانا محمد افضل صاحب۔ مدرسہ سراج العلوم خانپور کے مہتمم اور مفتی سراج احمد درانی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادے مولانا خورشید احمد درانی صاحب بھی بطور مہمان خاص شریک ہوئے ڈاکٹر نور احمد شاہتاز صاحب نے شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔ جامعہ باب القرآن کی انتظامیہ کی طرف سے شرکاء کے اعزاز میں ظہرانہ دیا گیا۔

ضروری اطلاع

☆ نوٹ: یہ تاثر درست نہیں کہ پوسٹ بکس پر رجسٹرڈ ڈاک یا منی آرڈرز نہیں پہنچتے پوسٹ بکس پر تمام ڈاک اور منی آرڈر ہمیں باسانی مل رہے ہیں۔ (مجلس ادارت)

سیاسی فقہ پر مشہور فقہاء کی کتابوں کا تعارف

ڈاکٹر بسطامی محمد خیر

ترجمہ: پروفیسر مسعود الرحمٰن خاں

۱۔ ابو یوسف کی کتاب الخراج:

قاضی القضاۃ امام ابو یوسفؒ (۱۱۳۔۱۸۲ھ) ایک صحابی کی نسل سے ہیں، ان کا وطن کوفہ بڑا علمی مرکز تھا جہاں انہوں نے اساتذۂ عصر سے علم حاصل کیا، اور امام ابو حنیفہؒ کے سعادتمند شاگردوں میں نمایاں مقام حاصل کیا، ان کے علم کو مدون کیا اور پھیلایا، عباسی حکومت میں قاضی کے عہدہ پر فائز ہوئے، پھر خلیفہ ہارون رشید (۱۷۰۔۱۹۳ھ) نے ان کے لئے قاضی القضاۃ کا عہدۂ جلیلہ قائم کیا جس کو انہوں نے حسن خدمت اور نیک نامی کے ساتھ نباہا، ان کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے امت کو ایک قانون پر متحد کر کے اس انتشار کا خاتمہ کیا جو حکام کی خواہشاتِ نفس کے اثر سے پھیل رہا تھا، چونکہ قضاۃ کا تقرر ان کے اختیار میں آ گیا تھا اس لئے انہوں نے نیک نام مجتہد علماء کو قضاۃ کے عہدوں پر مقرر کر کے عدل و انصاف کی حکمرانی قائم کی۔ (تاریخ ابن کثیر، ۱۰/۱۸۰، فواد سیزکین، تاریخ التراث العربی، ۲/۹۴)

خراج زمین کا ٹیکس ہے، لیکن ابو یوسف نے کتاب الخراج میں اس کو اس زمانہ کے معروف عام معنی میں استعمال کیا ہے، نیز یہ کتاب اگرچہ حکومت کی آمدنیات سے متعلق ہے لیکن حقیقتاً وہ تمام امورِ مملکت سے بحث کرتی ہے اور چونکہ اس کی تالیف خلیفہ ہارون رشید کی فرمائش سے عمل میں آئی تھی اس لئے اس کی حیثیت ایک سرکاری قانون کی تھی جس کو وقت کے قاضی القضاۃ نے مملکت کے تمام علاقوں کے لئے جاری کیا تھا، اس کی شرح عبدالعزیز بن محمد رجبی نے الرتاج کے نام سے لکھی جو مطبوع ہے، اس کے دیگر موضوعات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے صرف حکومت کے تصور اور اس کے نظام کے اہم اصول ذیل میں مختصراً درج کئے جاتے ہیں:

۱۔ امام ابو یوسف خلافت راشدہ کو قابل تقلید نمونہ سمجھ کر اس کی قانونی نظیروں سے استدلال

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

کرتے ہیں اور اموی و عباسی حکام کے طریقہ کو شمار قطار میں نہیں لاتے، چنانچہ اس اصول کے تحت مخالف شریعت معاملاتِ حکومت کو منسوخ قرار دیتے ہیں۔

۲۔ حکومت پر آزادانہ تنقید حکام اور عوام دونوں کے بہتر مفاد میں ہے، اس لئے حکام کا محاسبہ، ان سے اپنے مشروع حقوق کا مطالبہ اور ملک کی دولت کی بابت سوال جواب مسلمانوں کا حق ہے۔

۳۔ بیت المال کی آمدنی میں مشروع تصرف جائز ہے، اس لئے حکام کی ذاتی اغراض میں اس کا استعمال ناجائز سمجھتے ہیں، نیز مشروع ٹیکسوں کے نظام کو بھی واضح کیا ہے۔

۴۔ اہل ذمہ (غیر مسلم اقلیات) سے منصفانہ معاملہ کے اصول متعین کئے اور یہ وجہ بیان کی کہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں عیسائیوں کے ساتھ فیاضانہ سلوک ہی نے ان کو اپنی ہم دین رومی حکومت کے خلاف اسلامی حکومت کا مخلص وفادار بنائے رکھا تھا۔

۵۔ حکومت میں ظالم و خائن کارندوں کی تقرری حرام قرار دی اور خلیفہ ہارون رشید کو نصیحت کی کہ ملازمت میں صلاحیت کے ساتھ حسن سیرت کا بھی لحاظ کریں، نیز ان کی نگرانی کے لئے محاسبین کا بھی انتظام کریں۔

۶۔ عدل و انصاف محکمۂ قضاء کا فرض ہے، صرف شک و شبہ پر کسی کی گرفت جائز نہیں، اس لئے ثبوت کے بغیر قیدیوں کے معاملات کی تحقیق کا مشورہ دیا اور قیدخانوں کے نظام کی اصلاح کے لئے اہم تجاویز پیش کیں۔

مولانا مودودی نے لکھا ہے:

> ''امام ابو یوسفؒ نے ایک مطلق العنان فرماں روا کے سامنے جو آئینی تجاویز پیش کی تھیں وہ متعدد حیثیات سے اصل اسلامی تصور کے مقابلے میں بہت ناقص ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام ابو یوسفؒ کے تصورِ ریاست کی وسعت بس اتنی ہی ہے جتنی کتاب الخراج کی ان تجاویز میں پائی جاتی ہے اور وہ درحقیقت اس سے زیادہ کچھ نہ چاہتے تھے جو انہوں نے اس کتاب میں بیان کر دیا ہے۔ بلکہ دراصل یہ وہ زیادہ سے زیادہ چیز تھی جس کی ایک عملی مفکر کی حیثیت سے وہ سلطنت عباسیہ کے اس دور میں توقع کر سکتے تھے۔ ان کے پیش نظر محض ایک ایسا خیالی نقشہ پیش کرنا نہ تھا جو

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

تصور کی حد تک مکمل ہو مگر واقعی حالات میں اس کو جامۂ عمل پہنانے کے امکانات نہ ہوں۔ اس کے بجائے وہ ایک ایسی اسکیم مرتب کرنا چاہتے تھے جو اسلامی ریاست کے کم سے کم جوہر مطلوب کی حامل بھی ہو اور اس کے ساتھ اسے ان حالات میں روبعمل بھی لایا جا سکتا ہو۔" (خلافت و ملوکیت، مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز، نئی دہلی طبع ۱۹۹۹ء، ص ۲۷۴)

۲۔ الشیبانی کی کتاب السیر الکبیر:

قاضی محمد بن حسن شیبانیؒ (۱۳۲۔ ۱۸۹ء) واسط میں پیدا ہوئے، کوفہ میں پروان چڑھے، امام ابو حنیفہؒ کی شاگردی اختیار کی اور امام ابو یوسفؒ کے بعد انہی کو نمایاں مقام حاصل ہوا۔ دو بار عہدۂ قضاء پر فائز ہوئے، دوسری صدی ہجری کے فقہاء میں انہوں نے سب سے زیادہ فقہی تالیف و تصنیف کا کام کیا اور حنفی مذہب کی بڑی خدمت کی، ان کی المبسوط فقہی مدونات میں پہلی جامع و شامل کتاب ہے جس کی اتباع میں بعد کی مدونات منظر عام پر آئیں اور اس سے متاثر ہوئیں۔

ان کی کتاب السیر الکبیر بھی اپنے موضوع پر جامع ترین مؤلفات میں سے ہے۔ (سیرۃ کی جمع سیر) مسلمانوں کے غیر قوموں سے تعلقاتِ امن و جنگ کے لئے فقہ کی ایک اسلامی اصطلاح ہے، چونکہ اس فقہ کا مآخذ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خلفاء کی سیرت و مغازی ہے اس لئے یہ اصطلاح اسی سے پیدا ہوئی۔ بہرحال اس کتاب کا ابتدائی مواد امام ابو حنیفہؒ نے اپنے شاگردوں کو املا کرایا تھا، اس کو امام شیبانیؒ نے نقل کر کے پہلے اپنی کتاب السیر الصغیر میں شامل کیا، پھر اس کی تہذیب و تنقیح اور کثیر اضافوں کے ساتھ السیر الکبیر تیار کی اور درج ذیل موضوعات سے متعلق اسلامی اصول بیان کئے۔

۱۔ حالت امن میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کی تنظیم، جس میں اسلامی حکومت کے ماتحت غیر مسلم اقلیات بھی شامل ہیں۔ خواہ وہ مستقل طور سے سرزمین اسلام میں مقیم ہوں جیسے اہل ذمہ، یا عارضی طور پر جیسے مستأمن۔

۲۔ بیرونی جنگوں کا نظم و انتظام، جنگی قواعد کے قیدیوں اور مال غنیمت پر اثرات، اور جنگ کو ختم کرنے کے طریقے اور اس کے اثرات۔

۳۔ اندرونی لڑائیاں جن میں سرکش باغیوں اور مرتدین کے خلاف تادیبی کارروائیاں شامل ہیں۔

ان موضوعات کے جامع وشامل احاطہ کی وجہ سے کتاب عالمی تعلقات کے موضوع پر پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے، پانچویں صدی ہجری میں اس کی شرح امام سرخسی نے لکھی جو پانچ بڑی جلدوں میں طبع ہوئی۔ (طبقات الشافعیہ للسبکی، ۵/۲۶۷، مقدمہ قانون الوزارة للماوردی، ص ۵ ومابعد)

۳۔ ابن سلام کی کتاب الاموال:

قاضی ابوعبید القاسم بن سلامؒ (۱۵۷۔۲۲۴ھ) کا شمار قرأت اور تفسیر وحدیث کے ماہر ائمہ میں ہوتا ہے وا اپنی کتاب غریب الحدیث کی وجہ سے مشہور ہوئے جس کی تہذیب وتنقیح میں چالیس سال کی طویل مدت صرف کی تھی، وہ طرطوس میں قاضی تھے اور حج کے دوران مکہ میں وفات پائی۔

وہ فقہ سیاسی کے اوائل مؤلفین میں تھے۔ ان کی کتاب 'الاموال' نظامِ مملکت پر بہترین مصنفات میں سے ایک ہے، اس میں حکومت کی آمدنی کے وسائل اور اخراجات کی مدوں سے بحث ہے، اس کا امتیاز یہ ہے کہ اس نے اپنے بنیادی موضوع کے ساتھ انصاف کرتے ہوئے بہت سی احادیث و آثار اور خطوط و معاہدات کو بھی جمع کر دیا ہے، اس وجہ سے اس کو صدرِ اسلام کے دستاویزی ریکارڈ کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے، اسی لئے فقہ سیاسی پر بعد کی ہر کتاب میں اس سے خوشہ چینی کی گئی ہے۔

۴۔ الماوردی کی سیاسی علوم پر تحریریں:

قاضی القضاۃ علی بن محمد حبیبؒ (۳۶۴۔ ۴۵۰ھ) بصرہ میں پیدا ہوئے، وہیں تعلیم پائی اور بغداد میں تکمیل کی، اپنے زمانہ کے کثیر التصنیف شافعی عالم وامام تھے، ان کی تفسیر میں 'النکت والعیون' فقہ میں الحاوی اور اخلاقیات میں ادب الدنیا والدین معروف ہیں، کئی جگہ قاضی رہ کر قاضی القضاۃ کے جلیل منصب پر فائز ہوئے اور نیک نامی سے خدمت انجام دی، حکامِ وقت سے گہرے روابط تھے اور خلیفہ کا اعتماد حاصل تھا، جس نے بنی بویہ اور سلاجقہ سے اپنے اختلافات میں صلح صفائی کیلئے ان کو اپنا سفیر بنایا تھا۔ اعلیٰ تعلیم، ممتاز سرکاری خدمت، اہل اقتدار سے قریبی تعلقات اور ذاتی تجارت نے ان میں سیاسی فقہ کے موضوعات پر درج ذیل چار اہم کتابیں تصنیف کرنے کی صلاحیت

پیدا کی۔ قوانین الوزارۃ، نصیحۃ الملوک، تسہیل النظر وتعجیل الظفر (فی سیاسۃ الملوک) اور الاحکام السلطانیہ، جس کو فوائد عبدالمنعم اور مصطفی حلمی نے تحقیق کے ساتھ شائع کیا۔ (دارالدعوۃ ۱۹۷۹ھ)

ماوردی کو بجا طور پر ان کی آخرالذکر کتاب الاحکام السلطانیہ کی بدولت بڑی شہرت ملی، اس لئے کہ انہوں نے اس میں سب سے پہلے سیاسی فقہ کے بکھرے ہوئے مسائل کو یکجا جمع کیا، تاکہ ان مسائل سے روزانہ کا تعلق رکھنے والے عہدیداران حکومت کو سہولت ہو، اس مقصد کی خود مؤلف نے مقدمہ کتاب میں اس طرح وضاحت کی ہے۔

> ''اولیائے امور کو سلطانی احکام کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن سیاست و تدبیر مملکت میں ان کی بے تحاشا مشغولیت دیگر مسائل فقہ میں ملے جلے سیاسی احکام کی بوقتِ ضرورت تلاش میں حائل ہوتی ہے، اس لئے میں نے متعلقہ مسائل کو یکجا کرنے کے لئے یہ مستقل ومخصوص کتاب الگ سے تحریر کی۔'' (ماوردی، مقدمہ الاحکام السلطانیہ، ص۲)

انہوں نے یہ کتاب خلیفۂ وقت کے حکم سے لکھی تھی، اس لئے یہ نظری فقہ کی کتاب نہیں بلکہ مملکت کی عملی ضرورت کی تکمیل اور اصحابِ اقتدار کے ہاتھ میں تنفیذی وسیلہ کی حیثیت سے مرتب ہوئی تھی۔ کتاب کی ابتداء امامت کی تعریف، اس کے لئے مطلوبہ شرائط اہلیت وصلاحیت اور اس کے انعقاد کے صحیح طریقوں کے ذکر سے ہوتی ہے، اس کے بعد حکومت ورعایا کے حقوق و واجبات اور عزلِ امام کے اسباب کا بیان ہے، اسی طرح وزارت وامارت کی تعریف اور اس کی اقسام، شرائط اہلیت وغیرہ کے بیان کے بعد مملکت کے مالی، عدالتی اور عسکری اداروں پر مفصل بحث ملتی ہے۔ تبصرہ کے طور پر درج ذیل اشارے قابل لحاظ ہیں:

۱۔ چونکہ یہ کتاب فقہی مذاہب کے استحکام کے بعد پانچویں صدی ہجری میں لکھی گئی ہے اس لئے اس میں سابق فقہاء کی آراء کے حوالوں اور نقل واقتباس کے ساتھ سیاسی مسائل پر ان کے تصورات ونظریات کا خلاصہ بھی ملتا ہے، لیکن خود ماوردی کا ذاتی اجتہاد ظاہر نہیں ہوتا۔
۲۔ بعض مقامات پر فقہی آراء کے مآخذ کے حوالے بھی ملتے ہیں۔
۳۔ طریقۂ کار جملہ مذاہب فقہ کی آراء کے موازنے کا اختیار کیا گیا ہے اور قرآن وسنت اور صحابہ و تابعین کی آراء اور سابق خلفاء کے عمل سے ماخوذ ان کے دلائل کے ذکر کا بھی اہتمام کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ: تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

۴۔ چونکہ تمام مذاہب فقہ کا احاطہ پیش نظر تھا اس لئے مختصر عبارت میں مفہوم و دلیل بیان کی گئی ہے۔

۵۔ یہ کتاب خلافت عباسی کے انتہائی ضعف اور انتشار کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، اس وقت صحیح اسلامی نظریات و تعلیمات اور واقعی حکومت کی حالت کے درمیان گہری خلیج حائل ہو چکی تھی، نئے نئے مسائل و مشاکل بھی سر اٹھا رہے تھے جو ماوردی کی نظر سے اوجھل نہیں تھے، چنانچہ انہوں نے اپنے زمانہ کی خلافت کی شرعی حیثیت پر بھی بحث کی ہے جو اپنا اثر و رسوخ کھو چکی تھی اور حقیقی اقتدار و اختیار رافضی وزراء، سلاطین بنی بویہ کو منتقل ہو کر خلیفہ ان کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بن چکا تھا۔ اسی طرح انہوں نے امارۃ الاستیلاء (بزور بازو امارت و سلطنت پر تسلط و قبضہ) کی شرعی حیثیت واضح کرنے کی کوشش کی ہے اس لئے کہ مملکت اسلامی کے بیشتر علاقوں کے حکام نے طاقت کے بل بوتہ پر ان علاقوں پر قبضہ کر کے خلیفہ سے اپنی سلطنتوں کو منوالیا تھا۔ ماوردی پر الزام ہے کہ انہوں نے حکومت کی ان دونوں غلط شکلوں کے جواز کے لئے حیلے بہانے تراشے ہیں اور ظالمانہ کارروائیوں سے تھوپی ہوئی نئی صورتِ حال کے لئے شرعی جواز فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے جو کچھ لکھا ہے شاذ حالات کے اضطراری احکام کے طور پر لکھا ہے۔ ماوردی کی دوسری کتاب قوانین الوزارۃ فقہ سیاسی کے موضوع پر ہے، اس میں وزارت کی تعریف و اقسام کے بعد وزراء کی شرائط اہلیت سے لے کر خلیفہ سے تعلقات، فرائض منصبی اور ان کی انجام دہی کے لئے مطلوبہ تدبیر و سیاست پر بھی بحث ہے۔ آخر میں وزارت کے پانچ مقاصد متعین کئے ہیں: اتباع دین متین، طاقتور اقتدار و اختیار، جامع و شامل انصاف، عام امن و امان اور مستقل رفاہیت عامہ۔ ان کی تکمیل سے اس کی غرض و غایت پوری ہوتی ہے۔ باقی دونوں کتابیں سیاسی آداب و اخلاق سے متعلق ہیں جو فی الوقت ہمارے موضوع سے خارج ہے۔

۵۔ ابویعلیٰ کی کتاب الاحکام السلطانیہ:

قاضی ابویعلیٰ محمد بن حسین الفراءؒ (۳۸۰ ۔ ۴۵۸ھ) بغداد میں پیدا ہوئے، مختلف علمی چشموں سے فیض یاب ہوئے اور کمال حاصل کیا، یہاں تک کہ حنابلہ کے امامِ زمانہ ہوئے، فقہ اور اصولِ فقہ میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں سے بیشتر آج مفقود ہیں۔ (ڈاکٹر عبدالقادر ابو

فارس، القاضی ابو یعلیٰ الفراء، ۵۱۶ ومابعد) ماوردی کے معاصر تھے اور دونوں کی ہم نام کتاب الاحکام السلطانیہ میں عنوان کے علاوہ تبویب و ترتیب اور کبھی کبھی تو عبارت تک میں بہت زیادہ مشابہت ہے، تنہا فرق یہ ہے کہ ابو یعلیٰ کی کتاب صرف حنبلی نقطۂ نظر پیش کرتی ہے جبکہ ماوردی کی کتاب میں تمام فقہی مذاہب کا موازنہ ہے۔ اب سوال یہ اٹھتا ہے کہ دونوں میں اصل اور اول کون سی کتاب ہے؟ چونکہ دونوں کی تاریخ تالیف بھی معلوم نہیں اس لئے جواب مشکل ہے، محض خیال ہوتا ہے کہ شاید ماوردی کی کتاب سابق ہو، بہرحال ان دونوں کتابوں نے بعد میں اسی موضوع پر امام الحرمین جوینی کی کتاب کے لئے راستہ ہموار کیا۔

۶۔ امام الحرمین جوینی کی کتاب غیاث الامم:

عبدالملک بن عبداللہ جوینیؒ (۴۱۹۔ ۴۷۸ھ) نیشاپور کے ایک گاؤں جوین میں پیدا ہوئے، ان کے مشہور اساتذہ میں ابوبکر بیہقیؒ (۳۸۴۔ ۴۵۸ھ) شامل ہیں، علوم وفنون کی تکمیل کے بعد بیس برس کی عمر میں مسند تدریس پر متمکن ہوئے، پھر بغداد اور مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ منتقل ہوئے، حرمین میں امامت کی وجہ سے ان کا لقب امام الحرمین ان کے نام پر غالب آ گیا، وہ اشعری علم کلام کے ماہرین میں تھے لیکن فقہ اور اصولِ فقہ میں بھی ان کا بڑا مقام اور بلند پایہ کتابیں ہیں۔ (تاریخ ابن کثیر،۱۲/ ۱۲۸)

ان کی کتاب غیاث الامم فی التیاث الظلم فواد عبدالمنعم اور مصطفیٰ حلمی کی تحقیق سے قریب میں شائع ہوئی (دارالدعوۃ، ۱۹۷۹ء) یہ کتاب نہ صرف جوینی کی بہترین مؤلفات میں سے ہے بلکہ فکر ونظر کی اصالت کے لحاظ سے بھی سیاسیات میں بڑی باوزن اور قیمتی ہے، لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس کو اسی موضوع پر ماوردی کی کتاب کی طرح شہرت حاصل نہ ہوئی، حالانکہ وہ کئی اعتبار سے اس پر فائق ہے، اس لئے کہ شاید جوینی نے اس کے نقائص کی تلافی ہی کے لئے اس نئی کتاب کی تحریر کا ارادہ کیا تھا، بہرحال اس کی امتیازی خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱۔ اصلی مآخذ کتاب وسنت واجماعِ صحابہ پر واضح اعتماد اور قطعی وظنی دلائل کا فرق اور اس کا لحاظ۔
۲۔ بحث واجتہاد میں استقلالِ فکر ونظر، اسی لئے انہوں نے ماوردی کی کتاب پر تلخ تنقید بھی کی ہے، کیونکہ وہ کبھی کبھی بغیر تحقیق وترجیح کے اقوال نقل کر دیتے تھے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ : امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

۳۔ صرف متعلق موضوع پر بحث، یعنی خلافت، اس کی فقہ اور اس کے مباحث کی توسیع اور تفصیل کے لئے تقریباً پوری کتاب وقف ہے، دیگر مسائل کے خلط ملط سے احتراز کیا گیا ہے، اس لحاظ سے سیاسی فقہ میں یہ اپنی نوعیت کی منفرد کتاب ہے۔

۴۔ مستقبل کی بصیرت، یعنی صرف حالاتِ حاضرہ تک نہیں بلکہ آئندہ پیش آنے والے مسائل کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے، چنانچہ ایک مکمل فصل تو ایسی ہے کہ جس کا حقیقی مصداق تو صرف ہماری موجودہ صدی میں پیش آیا یعنی ''خلافت وامامت کی عدم موجودگی میں مسلمان۔''

۷۔ ابن تیمیہ کی سیاسیات پر تحریریں:

امام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ ۔ ۷۲۸ھ) نے آٹھویں صدی ہجری کی ابتدائی تہائی میں اپنی بلند مقصد زندگی کا آخری حصہ گزار، یہ انتشار اور کمزوری کا وہ دور تھا جب صلیبی وتاتاری وحشیانہ یلغاروں کے خونی طوفانوں سے چور، چور ہو کر عالم اسلام ناتواں چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں بکھر چکا تھا اور اسلام ومسلمانوں کے لئے اجنبی خیالات کے قدم جمانے کا خطرہ سر پر منڈلا رہا تھا، نابغۂ عصر ابن تیمیہؒ وسیع افق اور مضبوط ومستقل شخصیت ومزاج کے مالک تھے، ان کی روحِ جہاد اور فکری تحریروں نے زوال آمدہ معاشرہ کو اجنبی اثرات سے محفوظ رکھنے اور عملی انحرافات کی تصحیح کے جاں گسل کام کو ایک مؤثر تحریک کا رخ دیا، مفادات کے غلام حلقوں کی طرف سے ان کی مخالفت کا ہنگامہ بھی اتنے زور وشور سے اٹھا کہ ان کی زندگی کے آخری ایام سخت آزمائش اور احتساب کی نذر ہوئے، آخر دمشق کے قیدخانہ ہی میں دم توڑا۔

بے شمار علمی وفکری ودینی تحریروں کے علاوہ سیاسیات سے متعلق ان کی تین کتابیں ہیں: السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاحِ الراعی والرعیۃ، الحسبہ فی الاسلام اور منہاج النبوۃ۔

السیاسۃ الشرعیہ ایک چھوٹا سا رسالہ ہے، جس کے مخاطب حکامِ مصر ممالیک بحریہ ہیں اور اس کا مقصد بقدرِ امکان حالاتِ حاضرہ کی اصلاح ہے، چنانچہ مقدمہ (ص ۳) میں تحریر فرماتے ہیں:

> ''اس مختصر رسالہ میں سیاستِ الٰہیہ اور نبوی نیابت کے ایسے جامع اصول بیان کئے گئے ہیں جن سے حاکم ومحکوم دونوں ہی بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس کی فرمائش ان اولیائے امور نے کی ہے جن کی نصیحت اور خیرخواہی اللہ نے واجب کی ہے۔''

اس اختصار کی وجہ سے اس رسالہ میں حکومت کے مباحث میں وسعت اور تشکیل حکومت کے صحیح اسلامی طریقہ پر مفصل کلام نہیں ملتا، بلکہ اس کا رخ حکومت کی غرض و غایت اور فرائض منصبی کے بیان کے بعد اس وقت کے حالات کی اصلاح کی تجاویز کی طرف ہو گیا ہے۔ ان میں سے اہم اصلاحات درج ذیل ہیں:

ا۔ سیاست دین کا تکمیلی جزء:

اگر اقتدار دین سے یا دین اقتدار سے جدا ہو تو لوگوں کے حالات میں فساد برپا ہوگا...... لہٰذا اگر دین سے نسبت رکھنے والے (عالم) نے اقتدار، جہاد اور مال سے اس کی تکمیل نہ کی یا اقتدار و مال و جنگ کی طرف متوجہ (حاکم) نے ان ہی کے ذریعہ اقامت دین کا مقصد سامنے نہ رکھا تو یہ دونوں راستے اللہ کے مغضوبین اور گمراہوں کے ہیں۔

۲۔ حکومت کی غرض و غایت قیامِ عدل اور ادائیگی امانت:

آیت قرآنی نے جب ادائے امانت اور عدل کے ساتھ حکومت واجب کی ہے تو یہ دونوں چیزیں عادل سیاست اور صالح ولایت کی جامع ہوئیں۔

۳۔ رشتہ داری وغیرہ کا لحاظ کئے بغیر حکومتی عہدوں پر زیادہ باصلاحیت اشخاص کا تقرر:

جس شخص کو مسلمانوں کی کوئی ذمہ داری سونپی جائے تو اس پر واجب ہے کہ کسی بھی جگہ اپنا ماتحت ایسے شخص کا تقرر کرے جو سب سے زیادہ باصلاحیت ہو اور جس میں اس کام کو انجام دینے کی طاقت ہو۔

۴۔ شوریٰ کا لحاظ:

مشورہ کے بغیر ولی الامر (حاکم) کو چارہ نہیں۔

۵۔ بنیادی اصلاح:

اولوالامر امراء و علماء ہیں، جب یہ دونوں ٹھیک ہوں گے تو عام لوگ بھی ٹھیک ہو جائیں گے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ : تمام لوگ فقہ میں امام ابو حنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کے پروردہ ہیں

۶۔ حاکم و محکوم دونوں کو ظلم و زیادتی کی ممانعت:

اولیائے امور اور رعایا دونوں کی طرف سے بیشتر ظلم ہوتا ہے، حکام وہ مال حاصل کرتے ہیں جو حلال نہیں، اور رعایا وہ مال روکتی ہے جو واجب ہے۔ (محمد مبارک، الدولۃ الحسبہ عند ابن تیمیہ، ص۷۲)

۷۔ عدالتی سزائیں:

سزا شریف و ذلیل اور کمزور اور طاقتور سب پر قائم کرنا واجب ہے۔ سفارش وغیرہ سے اس کو معطل کرنا جائز نہیں۔ (حوالہ سابق)

امام ابن تیمیہؒ نے ان جیسی اصلاحات کے ذریعہ حکومت وقت کے حالات کی بقدرِ امکان اصلاح کرنی چاہی، اگرچہ اس رسالہ السیاسۃ الشرعیۃ میں انہوں نے حکومت، اس کے فرائض اور اداروں پر بھی کلام کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس میں ان کا مقصد اسلامی نظامِ حکومت کو صحیح اور مکمل شکل میں پیش کرنا نہیں تھا۔

ان کی دوسری کتاب الحسبہ فی الاسلام ہے، لفظ حسبہ اصل میں حسبہ اللہ (یعنی عمل خیر کا اجر اللہ کی مرضی پر چھوڑنا) سے مشتق ہے، پھر یہ لفظ حکومت کے اس فرضِ منصبی کے لئے اصطلاح بن گیا جو اس کے شعبۂ احتساب کے کارندے لوگوں کے اخلاق و آدابِ عامہ، معاشرتی سلوک (چال چلن) اور ان کے تجارتی معاملات کی نگرانی کے طور پر انجام دیتے ہیں، بالفاظِ دیگر شعبۂ احتساب اسلام کے اصول الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (بھلائی کے حکم اور برائی سے باز رکھنے) کی تنفیذ کا مخصوص ادارہ ہے۔

ابن تیمیہؒ سے پہلے اس موضوع پر کافی کتابیں لکھی جا چکی تھیں، سب سے پہلے تو ماوردیؒ اور ابو یعلیٰؒ نے اپنی ہم نام کتابوں الاحکام السلطانیہ میں اس پر خامہ فرسائی کی، پھر عبدالرحمٰن بن نصر شیرازیؒ (وفات ۵۸۹ھ) نے خاص اس موضوع پر ایک مستقل کتاب لکھی، جس کا نام نہایۃ الرتبۃ فی طلب الحسبہ رکھا، یہ کتاب محتسب، اس کے فرائض اور اخلاق و آداب، اس کے ماتحت کاروبار اور پیشوں وغیرہ کی باریک تفصیلات پر مشتمل ہے، اور یہی بعد کی کتابوں کی اصل اور بنیاد بنی۔ انہوں نے اس کو من و عن قبول کیا اور اس پر بہت کم اضافہ کر سکے لیکن امام ابن تیمیہؒ کی کتاب الحسبہ فی

الاسلام میں نہ صرف ان کی طاقتور شخصیت پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے بلکہ اس کی اپنی امتیازی خصوصیات بھی ہیں جو مختصراً درج ذیل کی جاتی ہیں:

۱۔ ابن تیمیہؒ نے مقدمہ کتاب میں 'حسبہ' کو حکومت کے عام موضوع سے مربوط کرتے ہوئے حکومت کے قیام کی اہمیت بیان کرنے کے ساتھ یہ واضح کیا کہ حکومتی عہدے دینی منصب ہیں، اس لئے جس نے علم و عدل کی بنیاد پر ان کی سیاست و تدبیر کی وہ نیک و صالح لوگوں میں سے ہے۔

۲۔ شریعت نے ہر عہدہ کے اختیارات و اختصاصات باقاعدہ متعین نہیں کئے ہیں بلکہ زمان و مکان کے لحاظ سے اس کا اختیار لوگوں کو دے دیا ہے کہ وہ اسے اپنے مصالح اور حدود شرع کے تحت متعین کر دیں۔

۳۔ حکومت کے استمرار و دوام کے لئے عدل و انصاف کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''عادل حکومت کو اللہ برقرار رکھتا ہے، خواہ وہ کافر ہو، اور ظالم حکومت کو وہ قائم نہیں رکھتا خواہ وہ مسلم حکومت ہو۔''

۴۔ حِسبہ کے عام اصولوں پر جامع ہر پہلو پر مشتمل کلام کیا، جس میں کسی سے نقل کئے بغیر قرآن و حدیث کے کثیر استشہادات کے ساتھ ایک مستقل بالذات قیمتی بحث کی ہے۔

۵۔ محتسب کے سزا دینے کے اختیار کی اہمیت پر کلام کرتے ہوئے سزاؤں کی اقسام بیان کی ہیں، اور مالی تعزیرات پر خاص بحث کی ہے۔

۶۔ فرد کی معاشی سرگرمی میں حکومت کی مداخلت کی حد پر کلام کرتے ہوئے اپنے زمانہ سے زیادہ ترقی یافتہ جدید افکار و آراء پیش کرنے میں سبقت کی۔

۸۔ ابن قیمؒ کی سیاسی تحریریں:

ابوعبداللہ محمد بن ابی بکرؒ (۶۹۱ ۔ ۷۵۱ھ) کے والد ماجد دمشق میں ابن جوزی کے قائم کردہ المدرسۃ الجوزیہ کے قیم (مدیر) تھے، اس کی وجہ سے ان کی اولاد ابن القیم الجوزیہ کے لقب سے مشہور ہوئی اور ہمارے زیر بحث ابن قیم کے تو نام کی جگہ ان کے لقب ہی نے لے لی۔ یہ ابن تیمیہؒ کے سب سے مشہور شاگرد، ان کی فکری تحریک کے قریبی اور معتمد ترین ارکان میں سب سے پیش پیش

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆